شاہ ولی اللہ کی تعلیم

از

پروفیسر غلام حسین جلبانی

پروفیسر جلبانی ایم اے سابق صدر شعبۂ عربی سندھ یونیورسٹی کے برسوں کے مطالعہ و تحقیق کا نچوڑ یہ کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پوری تعلیم کا احصاء کیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا، قدردان پڑھنے والوں کے اصرار پر دوسرا ایڈیشن شائع کردیا گیا ہے۔ معیار طباعت کا خاص خیال رکھا گیا۔

قیمت بارہ روپے ۱۲

إلهام الرحمٰن فی تفسیر القرآن

من أمالی

الأستاذ عبید اللہ السندی

الجزء الثانی

قیمت دس روپے ۱۰

ملنے کا پتہ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی۔ صدر۔ حیدرآباد

سندھ، پاکستان

"فلاسفۂ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ عذاب وثواب کا دار و مدار صفاتِ نفسانیہ اور ان اخلاق پر ہے جو رُوح کے دامن سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور قالبوں اور صورتوں کا ذکر شریعتوں میں صرف اس لیے ہے کہ ان دقیق معانی اور لطیف مقاصد کو لوگوں کے اذہان کے قریب کر دیا جائے اور یہاں جو کچھ ہم اس وقت کہہ رہے ہیں، قوم کے مشرب و مسلک کے مطابق کہہ رہے ہیں۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اہلِ ملل و ادیان کا مذہب بالکل صحیح اور درست ہے اور اس کی توضیح اس طرح ہے کہ شرائع کے لیے چند معدات اور اسباب ایسے ہُوا کرتے ہیں جو شرائع کو متعین اور متشخص گردانتے اور بعض احتمالات کو بعض پر ترجیح دیا کرتے ہیں اور حق تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ ان شرائع و مناہج کے بغیر لوگ دین پر عمل نہیں کر سکتے اور یہ بھی وہ جانتا ہے کہ یہی شرائع و مناہج اور طریقے اس قابل ہیں کہ لوگوں کے لیے واجب گردانے جائیں، اس لیے قوم کے لیے ازل میں جہاں حق تعالیٰ کی عنایت د توجہ ہوا کرتی ہے، وہاں یہ مندرج ہوا کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب عالم اس بات کے قابل ہو جاتا ہے کہ شرائع و مناہج کی صورتوں کا فیضان کیا جائے اور ان کی مخصوص و ممتاز مثالی شکلیں ایجاد کی جائیں تو اللہ تعالیٰ انھیں ایجاد فرماتا ہے اور پھر یہی امور بمنزلہ 'اصل اُصول' بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس علم کو ملأ اعلیٰ پر منکشف گردانتا ہے اور انھیں یہ الہام فرماتا ہے کہ یہی امور قائم مقام اصل اصول کے ہیں۔"

حُجّۃ اللہ البالغۃ

باب شریعت کے طریقوں پر مُواخذہ کے اسباب

پروفیسر ڈاکٹر اویس صالح صدیقی

ایران
"غالبؔ" کے تصوّر میں

ایران مروّت و محبّت، مودّت و مردانگی کا گہوارہ، شعر و نغمہ، گُل و بلبل کی سرزمین سحر آفریں و دلکش مناظرِ قدرت کی وادیٔ جمیل، مدتوں غالبؔ کی تمناؤں و ارمانوں کا دلچسپ و حسین محور و مرکز رہی ہے۔ یہ گھائل تیغِ اصفہانی، گلستانِ عجم کا یہ عندلیب، یوں نغمہ سرا ہوتا ہے ؎

فارسی بین تا ببینی نقشہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعہ اُردو کہ بے رنگ نیست

تو ہم کو "شائبۂ خوبیٔ تقدیر" اور قدرت کی ستم ظریفی کا قائل ہونا پڑتا ہے، وہ غالبؔ جو اردو سے زیادہ اپنی فارسی شاعری پر نازاں تھا اور جس نے اُردو شاعری کو فارسی کے مقابلہ پر زرِ کم عیار جانا تھا، جس نے اپنی فارسی تخلیقات کو اپنا بیش قیمت و گراں قدر سرمایہ سمجھ کر زندگی بھر فخر کیا۔ آج اسی "متاعِ بے بہا" اور "نقشہائے رنگ رنگ" کو ایران تو ایک طرف، خود برصغیر پاکستان و ہند میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اور اگر جانتے ہیں تو صرف اتنا کہ غالبؔ اُردو کے علاوہ فارسی کے بھی شاعر تھے۔ اس کے اسباب و علل ادبی سے زیادہ سیاسی

ہیں !

غالبؔ کا زمانہ سیاسی اعتبار سے ہند و ایران کی تاریخ کا تاریک دور کہا جاسکتا ہے ، جب کہ ان دونوں ہمسایہ و برادر ممالک کے درمیان مودّت و محبت کے بے مثال تاریخی رشتے دم توڑ رہے تھے۔ دہلی ! تیموریان پاک و ہند کے جاہ و جلال کا مرکز ، مشرق کا قلب و جگر سیاسی نبرد آزمائی و کشمکش کا اکھاڑہ بن گیا تھا ، شاہانِ مغلیہ کا تاج و تخت ہنگاموں و طوفانوں کی زد میں تھا ، "قلعۂ معلی" امراء کی شاطرانہ چالوں و ہنگامہ آرائیوں کی جولان گاہ بنا ہوا تھا مغربی سوداگروں و فرنگی حقہ بازوں نے فکر و سیاست کے وہ جال بچھائے تھے کہ علیقی سلیم تہرانی کی آواز ؎

نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال
تا نیامد سوئے ہندوستان حنا رنگین نشد

گھٹ چکی تھی اور وہ ہند جو 'بازار خرید ذوق' تھا ، جس کی مثالی ادب و معارف پروری ، ماوراء النہر ، ایران و ترکستان کے ارباب فکر و فن کے لیے مقناطیسی کشش رکھتی ہے[۱]۔ ایک حسین خواب سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا ، اس کے ماضی کا رشتہ اس کے حال سے کٹ چکا تھا ، ہزار سالہ پریم و محبت کی مینا برطانوی سیاست و تدبر سے چکنا چور ہو چکی تھی ، اخوت

۱ۃ

ز ہند چون گیرتا شہ جہان | شاعران را بود ہند آرام جان
ہند بازار خرید ذوق بود | ہند یکسر عشق و شور و شوق بود
صنعت و ذوق و ہنر ترکیب یافت | کاروانہا جانب دہلی شتافت
پس روان شد کاروان در کاروان | تنگنای دل پر از کالای جان
رشک غزنی گشت بزم اکبری | نغمہ خوان ہر سو ہزاران عنصری
بزم نورالدین گلستانی دگر | درگہ نورجہان جانی دگر

بذلہ گو از شاہ تا بانو ہمہ
پیش یک مصرع زدہ زانو ہمہ

(دیوان بہار مطبوعہ تہران جلد ۲ صفحہ ۳۲)

کے اٹوٹ بندھن تیزی سے ٹوٹ رہے تھے۔

وہ غالب جس کی حقیقی عظمت اس کی یکتائے روزگار و نادرِ زمانہ فارسی تخلیقات میں مخفی ہے، وہ غالب جس کی شاعری میں تیموریان پاکستان وہند کی ساری تہذیب وثقافت اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ وہ غالب جو دورِ مغلیہ کا آخری بڑا شاعر ہے، جس کے متعلق کسی نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری" ایک ترک امیر خسرو سے شروع ہوکر ایک ترک غالب پر ختم ہوگئی"[۱] اور جس کی شعری تخلیقات کو عقیدت مندی نے الہامی تک بنادیا ہے، دراصل ایران کا سچا عاشق وشیدائی ہے۔ یہ ساری حرارت اسی آفتاب عالمتاب کی ہے جو جبالِ البرز کی برفانی بلند چوٹیوں کی اوٹ سے طلوع ہوا ہے۔ گرچہ اس نے ایران نہیں دیکھا مگر حافظ وخیام کی وجد آفریں و دلربا نغموں سے گونجنے والی جنتِ ارضی کی کیف آور بادِ بہاری اس کے تصور میں اٹھکیلیاں کرتی رہی ہے۔ رودکی سے لے کر قاآنی تک تمام نغمہ بار مترنم و دلکش صدائیں اس کی تمام فارسی شاعری میں رچی بسی ہوئی ہیں۔ ایران جانے کی آرزو و تمنا آشکارا ہے، چاہتا ہے کہ ایران کی راہ لے اور اصفہان وشیراز میں زندگی کے دن گزارے ؂

گرفتہ خاطر غالب ز ہند و اعیانش
بر آن سر است کہ آوارہ عجم گردد

غالب از آب وہوائے ہند بسمل گشت نطق
خیز تا خود را بہ اصفہان و شیراز افگنیم

غالب از ہندوستان بگریز فرصت مفت تست
در نجف مردن خوش است و در صفاہان، زیستن!

غالب از خاک کدورت خیز ہندم دل گرفت
اصفہان ہے، یزد ہے، شیراز ہے، تبریز ہے

۱۔ تذکرہ جلوۂ خضر

اپنے کو ایرانی تصور کرتے ہوئے یوں گویا ہوتا ہے ؎

غالب ز ہند نیست نوائی کہ می کشم!
گوئی ز اصفہان و ہرات قمیم ما
بود غالب عندلیبی از گلستانِ عجم!
من ز غفلت طوطیٔ ہندوستان نامید مش
وا شد آن بند کہ در پای جہان پیما بود!
شش جہت گشتم و سرتا سیر کیہان رفتم
گاہ از ولولہ نازش جادو قلمی
بہ سخن خود شدم و تا بہ صفاہان رفتم

غالب اگرچہ نسلاً و نژادی اعتبار سے ترک تھے، مگر ایران کی بے پناہ محبت نے ان کو خالص ایرانی بنا دیا ہے۔ وہ اپنے کو ایران کا مورث اور ایرانی روایات کا وارث و نوحہ خواں سمجھتے تھے ؎

گہر از رایت شاہان عجم برچیدند
بہ عوض خامہ گنجینہ فشانم دادند
افسر از تارک ترکان پشنگی بردند
بہ سخن ناصیہ فر کیانم دادند
ہرچہ از دستگہ پارس بہ یغما بردند
تا بنالم ہم از آن جملہ زبانم دادند

ایک جگہ اپنے کو "دودمانِ جمشید" سے تصور کرتے ہوئے فخریہ انداز میں کہتے ہیں ؎

ساقی چو من پشنگی و افراسیابیم دانی کہ اصل گوہرم از دودۂ جم است
میراث جم کہ می بود اینک بمن بیار
زآن پس رسد بہشت کہ میراث آدم است

نیاکان من تا جہانیان پشنگ!
قدم بر قدم اندر آن حلقۂ تنگ!

ایران اور فارسی کے مستند اساتذہ کو وہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، چنانچہ اس نے فردوسی سے لے کر قاآنی تک سب اُستادانِ فن کی مدح و ثنا کی ہے۔ نظامی گنجوی (م ۵۹۹ ہجری) سنائی غزنوی (م ۵۴۵ ہجری) عطار نیشاپوری (م ۶۲۷ ہجری) مولوی معنوی (م ۶۷۲ ہجری) انوری ابیوردی (م ۵۸۵ ہجری) خاقانی شروانی (م ۵۹۵ ہجری) ظہیر فاریابی (م ۵۹۸ ہجری) امیر خسرو دہلوی (م ۷۲۵ ہجری) حافظ شیرازی (م ۷۹۲ ہجری) کمال خجندی (م ۸۰۳ ہجری) فغانی شیرازی (م ۹۲۵ ہجری) ظہوری ترشیزی (م ۱۰۲۴ ہجری) نظیری نیشاپوری (م ۱۰۱۳ ہجری) حکیم کاشانی (م ۱۰۶۱ ہجری) شفائی آملی (م ۱۰۳۷ ہجری) زلالی خوانساری (م ۱۰۲۴ ہجری) صائب اصفہانی (م ۱۰۱۰ ہجری) عرفی شیرازی (م ۹۹۹ ہجری) فیضی (م ۱۰۰۶ ہجری) اور حزین (م ۱۱۰۳ ہجری) کا پورا پورا تتبع کیا ہے اور ان کی بصیرت و فن سے حتی المقدور استفادہ بھی کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے ؎

زلہ بردار ظہوری باش غالب بحث چیست
در سخن درویش باید نہ کہ دکان داری!

بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب!
رگ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را

کیفیت عرفی طلب از طینت غالب
جام دگران بادۂ شیراز ندارد

غالب مذاق ما نتوان یافتن ز ما
روش نظیری و طرز حزین شناس

اندرین شیوہ رفتار کہ داری غالب
گر ترقی نکنی، شیخ علی را مانی!

جادۂ عرفی و رفتار شفائی دارم دہلی و آگرہ، شیراز و صفہان مست

غالب از من شیوهٔ نطق ظہوری زنده گشت
از نوا جان در تن ساز بیانش کرده ام

غالب از صہبائی اخلاق ظہوری سرخوشیم
پارهٔ بیش از ست از گفتار ما کردار ما

جواب خواجہ نظیری نوشتہ ام غالب
خطا نموده ام و چشم آفرین دارم

این جواب آن غزل غالب کہ صائب گفتہ است
در نمود نقشہا ، بی اختیار افتاده ام

بسمل کہ سخن طراز مہر آئین ست
ارزش ده آن و پایہ بخش این ست
او پادشہست گر سخن اقلیم ست
او پیش روست گر محبت این ست

غالب از جوش دم ما تربتش گل پوش باد
پرده ساز ظہوری را گل افشان کرده ایم

دامنم از کف کنم ہیچگونہ رہا
طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روح و روان معنیٰ را
آن ظہوری جہان معنی را

آن کہ از سرفرازی قلمش
آسمان سا ست پرچم علمش

طرز اندیشہ آفریدهٔ اوست در تن لفظ جان دمیدهٔ اوست
پشت معنیٰ قوی ز پہلویش
خامہ را فربہی ز بازویش

فارسی کے نامی وگرامی شعراء سے اکثر اوقات ہمسری کا دم بھی بھرا ہے ؎

کو بلبل شیراز وکجا طوطئ آمل؟
تا پایہ بسنجیم، نوا سنجئ ہم را

بہ فن شعر چہ نسبت بمن نظیری را
نظیر خود بہ سخن ہم فہم، سخن کوتاہ!

می توان پنجہ از نظامی بُرد
پارہ جمع گر حواس کنم

غالب بہ شعر کم ز ظہوری نیم ولی
عادل شہ سخن رس دریا نوال کو

چون نیست تاب برق تجلّی کلیم را
کی در سخن بہ غالب آتش بیان رسد

نہ شوکت عرفی کہ بود شیرازی
مشو اسیر زلالی کہ بود خوانساری
بہ سومنات خیالم در آئی تا بینی
روان فروز بُرد دوشہائی زناری

غالب کی فارسی دانی مسلم اور ایران سے عقیدت میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں

میرزا حیرت دہلوی نے لکھا ہے :-

"فارسی زبان میں میرزا نے وہ مہارت و مقبولیت پیدا کی تھی کہ ایرانی بھی عش عش کرتے تھے" لہ

پیارے لال شاکر میرٹھی نے کہا ہے :-

"غالب کی فارسی زبان کی لیاقت اجتہادی رتبہ کی تھی اور ہندستان

لہ "چراغ دہلی"۔

میں فارسی کا ماہر لسان امیر خسرو و فیضی کے بعد غالب کے پایہ کا شاید ہی نظر آئے "۔ ۱؎

فرزند احمد صفیر بلگرامی کے قول کے مطابق :۔

"میرے نزدیک ہندوستان کے کلام فارسی پر ولایتی فارسی کا یقین چار شخصوں کے کلام پر ہوا ، اول امیر خسرو ، دوم حسن دہلوی ، سوم میرزا بیدل ، چہارم غالب "

حالی کے الفاظ ہیں :۔

"اس ملک میں مرزا پر فارسی نظم و نثر کا خاتمہ ہو گیا "۔ ۲؎

ہمارے ملک کے مشہور غالب شناس غلام رسول مہر رقمطراز ہیں :۔

"بے شائبہ مبالغہ ہندوستان نے امیر خسرو کے بعد ان جیسا جامع شخص پیدا نہیں کیا "۔ ۳؎

ڈاکٹر سید عبداللہ غالب کے فارسی کلام کو اردو کے مقابلہ پر "وسیع تر" و "معمور تر" پاتے ہیں۔

غالب کے یہاں ہندو ایرانی تمدن کا ایک حسین و دلکش امتزاج ہے جس میں بوقلمونی بھی ہے اور تنوع بھی اور وہ اپنے کو ؏

آتش کدہ کاوہ است دمم پارسیان را

متصور کرنے میں حق بجانب ہے ، جب وہ یہ کہتا ہے :۔

"زبان فارسی سے مجھے مناسبت ازلی ہے "۔ ۔ ۔ ۔ "میری طبیعت کو اس سے ایک قدرتی لگاؤ ہے "

تو بے ساختہ اس کے لازوال فارسی کلام کی روشنی میں کہنا پڑتا ہے کہ واقعی پارسی گویان

۱؎ ادیب الہ آباد ستمبر ۱۹۱۲ء ۲؎ دیباچہ یادگار غالب ۳؎ مقدمہ خطوطِ غالب
۴؎ اطراف غالب

ہندو پاکستان میں (اس کے عہد تک) بجز امیر خسرو و فیضی کے کوئی اس کی گرد کو نہیں پہنچتا - اور یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے ؎

ای مرا فر خسروی دادہ !
پارسی را بمن نوی دادہ !

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ایران کے اس عاشق صادق کی پذیرائی ایران اور دیگر فارسی زبان ممالک میں جیسی کہ ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی، جس کے اسباب و عوامل پر پہلے اجمالاً کہا جا چکا ہے۔

گزشتہ پچیس برس میں ایران کے علماء و دانشوروں کی مساعی سے ایک تحریک وجود میں آئی ہے کہ ایران کی جغرافیائی حدود کے باہر جو فارسی شعراء و ادیب پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق کاوش و تحقیق کی جائے اور ان کو روشناس کرایا جائے۔ اس تحریک کے نتیجہ میں گزشتہ بیس سال میں ایران میں غالب سے متعلق بھی خاصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ایران کے مشہور زمانہ عالم ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے کہا ہے:

"اسداللہ خان غالب در نزد ما ایرانیان بسیار عزیز و گرامی است و دیوان غالب مانند دیوان قاآنی و نشاط یعنی شعرائی اخیر ایران نزد ما محبوب می باشد۔" [1]

پاکستان میں ایران کے ایک سابق سفیر ڈاکٹر فریدنی بھی غالب کی زندگی و شاعری سے متعلق ایک مختصر سا مضمون تحریر کر چکے ہیں۔ سعید نفیسی مرحوم نے بھی ایک کتابچہ غالب کے عنوان سے لکھا تھا۔

تہران یونیورسٹی کے فاضل استاد ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے ایران کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ جماعتوں میں تدریس کے لیے فارسی شعر و سخن کا ایک نصاب تین جلدوں میں "گنج سخن" کے عنوان سے مرتب کیا ہے، اس میں غالب کو بھی شامل کیا ہے۔ غالباً ایران کی تاریخ میں

---

[1] اردوئے معلیٰ فروری سنہ ۱۹۶۰ء

پہلی مرتبہ ہے کہ غالب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر معین نے برُہان قاطع کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

"در بعضی موارد حق با غالب است"

تہران یونیورسٹی میں ایک پاکستانی اسکالر نے غالب کی شخصیت و شاعری پر فارسی میں مقالہ لکھ کر تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ بھی کی۔ یہ سب ایران میں غالب شناسی کے سلسلہ میں اچھا شگون و نیک فال تصور کی جاسکتی ہیں۔

غالب کی صدسالہ برسی کے موقع پر ایران میں سرکاری و نیم سرکاری طور پر ایک رنگا رنگ پروگرام مرتب کیا گیا۔ تہران کی ادبی انجمنوں نے ایران کی وزارت فرہنگ و ہنر کے تعاون سے "یوم غالب" بڑے اعلیٰ پیمانے پر منایا، جس میں تہران میں موجود ایرانی علماء و دانشوروں نے شرکت کی۔ ایک چھوٹا مگر باوقار کتابچہ بعنوان غالب بھی شائع کیا، جس میں ڈاکٹر رازانی نے فارسی زبان میں ایک بصیرت افروز مقالہ تحریر کیا۔ پاکستانی سفارت خانہ ایران سے شائع ہونے والے ادبی و ثقافتی مجلہ **پاکستان** نے اس مناسبت سے چند اوراق غالب کے لیے مخصوص کیے۔ اور بھی کچھ رسالوں اور اخباروں میں غالب سے متعلق مضامین و نظمیں شائع ہوئیں۔

ایران کے معارف پرور و علم دوست شاہنشاہ نے کلیات غالب" کی اشاعت کے لیے ایک گراں قدر رقم اپنی جیب خاص سے عطا کی ہے اور یہ عظیم خدمت ایران کی فرہنگ و ہنر کی وزارت جلیلہ کو سونپی گئی ہے۔ وہ ایرانی حضرات جنھوں نے غالب اور اس کی شخصیت کے متعلق پہلے قلم اٹھایا، ان میں مصطفیٰ طباطبائی[1] اور ح۔ داریوش[2] کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

یابی تہ خاکستر ہر حرف شراری
آتش کدہ کاو است دم پارسیان را

---

[1] اسداللہ خان غالب۔ مجلہ "مہر" مطبوعہ تہران شمارہ ۷۸

[2] اسداللہ خان غالب۔ مجلہ "ھلال" کراچی شمارہ ۷۱